Fikr-o-Nasar (Islamabad) 11:10 (1974)

مزارعت کی شرعی حیثیت

(۳)

محمد طاسین

یہ ہیں مزارعت، مخابرت اور محاقلت سے متعلق وہ مرفوع احادیث جو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روائیت کی ہیں اور محدثین کرام نے ان کو صحیح تسلیم کیا ہے، ان احادیث سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں : اول یہ کہ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے بھی مزارعت، مخابرت اور کراءالارض کا عام رواج تھا اور اسلام کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہ رواج قائم رہا، دوم یہ کہ اس معاملہ کی عملی طور پر متعدد شکلیں تھیں : ایک یہ کہ اس میں پیداوار کا نصف حصہ مالک زمین اور نصف حصہ کاشتکار کے لئے ہوتا تھا، دوسری یہ کہ ایک فریق کے لئے پیداوار کا ایک تہائی اور دوسرے کے لئے دوتہائی ہوتا تھا، تیسری یہ کہ ایک فریق کے لئے ایک چوتھائی اور دوسرے کے لئے تین چوتھائی ہوتا تھا، چوتھی یہ کہ مالک زمین کے لئے مقررہ حصہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور چیزیں بھی مقرر ہوتی تھیں مثلاً گھنڈیاں یا بھوسے کا کچھ حصہ، پانچویں یہ کہ اس میں یہ طے ہوتا تھا کہ زمین کے ایک خاص حصے کی پیداوار مالک زمین کے لئے ہوگی جیسے نالیوں کے کنارے یا کنویں کے آس پاس کا حصہ جس میں عموماً پیداوار اچھی اور زیادہ ہوا کرتی ہے مالک اپنے لئے مخصوص کرلیتا تھا اور باقی حصہ کی پیداوار مزارع کے لئے، اسی طرح ایک چھٹی شکل یہ بھی تھی کہ مالک زمین، پیداوار کے نسبتی حصہ کے بجائے متعین مقدار میں غلہ یا نقد مقرر کرلیتا تھا جس کو وہ ہر حال میں وصول کرتا تھا خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، غرضیکہ مدینہ میں اس معاملہ کی متعدد اور مختلف

شکلیں تھیں جو مالک زمین اور کاشتکار کے مابین طے پاتا تھا ٹھیک اس طرح سے جس طرح کہ قرضوں کی مختلف نوعیت اور شرح سود کی کمی و بیشی کے لحاظ سے ربوا کی متعدد اور مختلف شکلیں تھیں، سوم یہ کہ مزارعت اور کراءُالارض کی جو شکلیں کاشتکار کے حق میں نسبتہ زیادہ مضر اور باھمی نزاع کا موجب تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پہلے روکا بوجہ محل نزاع اور موجب اختلاف ھونے کے، اور باقی تمام شکلوں سے اس وقت منع فرمایا جب قرآن مجید میں تحریم ربوا کا حکم نازل ھوا اور یہ مدنی دور کے آخر میں ھوا، اس وقت تحریم ربوا کے اس قانونی حکم سے وہ تمام معاشی معاملات متاثر ھوئے جو ربا سے ملتے جلتے تھے اور ایسا ھونا ایک بالکل قدرتی امر تھا، چہارم یہ کہ آپس میں مسلمانوں کی حد تک مزارعت کی تمام شکلیں ممنوع قرار دے دی گئیں البتہ غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ حکومت کی سطح پر یہ معاملہ بعض خاص وجوہ کی بنا پر جائز رکھا گیا، اس کی مثال وہ معاملہ ھے جو فتح خیبر کے بعد معاھدہ صلح کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا جس کی رو سے کاشتکاری اور باغبانی کے تمام کام اور جملہ اخراجات یہود خیبر کے ذمہ تھے اور پیداوار نصف یہود کے اور نصف مسلمانوں کے مابین تقسیم ھوتی تھی، اور اس کے سوا یہود سے بطور جزیہ و خراج اور کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا، پنجم یہ کہ اکثر صحابہ کرام کے نزدیک مسلمانوں کے درمیان مزارعت کی یہ جو ممانعت تھی قانونی نوعیت کی تھی یعنی اس کی پابندی لازم اور ضروری تھی لیکن ایک صحابی کے نزدیک یہ ممانعت اخلاقی نوعیت کی تھی یعنی مزارعت کو ترک کرنا بمقابلہ اختیار کرنے کے بہتر تھا گویا یہ معاملہ حرام نہیں بلکہ مکروہ تھا، اسی طرح ان بیشتر احادیث سے ایک بات یہ بھی کھل کر نمایاں ھوتی ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاھتے تھے کہ مالک زمین اپنی زمین کو خود کاشت کرے اور اگر خود کسی وجہ سے کاشت نہیں

کرسکتا تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو مفت بلامعاوضہ کاشت کے لئے دے دے جو کاشت کرسکتا ہو، تیسری کوئی صورت آپ کے نزدیک پسندیدہ اور مستحسن نہ تھی،

بہرحال غور سے دیکھا جائے تو ان مرفوع احادیث میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں یہ تصریح ہو کہ مزارعت کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان بلا کسی کراہیت کے جائز ہے، حدیث خیبر میں جس معاملے کا ذکر ہے پہلے تو اس میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا اور اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو ظاہر ہے کہ یہ آپس میں مسلمانوں کے درمیان نہ تھا بلکہ حکومت کے توسط سے مسلمانوں اور غیر مسلم یہودیوں کے درمیان تھا جو مسلم حکومت کے ذمی رعایا تھے، اسی عبداللہ بن عباس کی حدیث سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ مزارعت کا معاملہ اگرچہ حرام نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے اور اس کا نہ کرنا، کرنے کے مقابلے میں بہرحال خیر اور بہتر ہے، بنابریں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مذکورہ بالا مرفوع احادیث میں کچھ اختلاف تو ضرور ہے لیکن حقیقی تعارض ہرگز نہیں، اور اگر کسی کا یہ خیال ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ ان احادیث کے مابین تعارض پایا جاتا ہے تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ متعارض حدیث سے رفع تعارض کے لئے محدثین و فقہاء نے جو اصولی ضابطہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ اس اصولی ضابطے کی پہلی شق نسخ سے متعلق ہے یعنی یہ دیکھا جائے کہ ان متعارض احادیث میں سے کونسی بلحاظ زمانہ پہلے کی ہیں اور کونسی بعد کی ہیں جو پہلے کی ہوں ان کو منسوخ اور جو بعد کی ہوں ان کو ناسخ قرار دے کر عمل کے لئے اختیار کرلیا جائے، چنانچہ اس کے مطابق جب ہم احادیث مزارعت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مزارعت کے جواز والی

احادیث بلحاظ زمانہ متقدم اور عدم جواز والی احادیث متأخر ہیں اور اس کی شہادت وہ قرائن و شواہد دیتے ہیں جو خود ان احادیث کے اندر بھی موجود ہیں اور باہر بھی، اندرونی اور داخلی قرائن و شواہد کی مثال وہ الفاظ ہیں جو ان احادیث کے اندر ان کے راوی صحابہ کرام نے بیان کئے ہیں، ذیل میں کچھ وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے :

حضرت جابر کی ایک روائیت میں ہے : کانوا یزرعون بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت له ارض فلیزرعها او لیمنحها،(ترجمه) وہ کاشت کرتے چلے آرہے تھے تہائی، چوتھائی اور نصف پر پس نبی صلعم نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ برتنے کے لئے دے دے، دوسری روائیت کے الفاظ ہیں : کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخبر، (ترجمه) ہم مخابرت کیا کرتے تھے قبل اس کے کہ رسول اللہ صلعم نے مخابرت سے منع فرمایا، تیسری روائیت کے الفاظ ہیں : کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذالارض بالثلث او الربع بالماذیانات فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالك فقال من کانت له ارض فلیزرعها، فان لم یزرعها فلیمنحها اخاه، ترجمه، ہم رسول اللہ کے زمانہ میں زمین لیا کرتے تھے تہائی یا چوتھائی پر نالیوں کے کناروں کی پیداوار کے ساتھ، پس رسول اللہ صلعم نے کھڑے ہوکر اس کے متعلق فرمایا، جس کے پاس زمین ہے وہ خود اسے کاشت کرے اور اگر خود نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے،

حضرت رافع بن خدیج کی حدیث میں ہے : کنا نحا قل الارض علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکریها بالثلث والربع والطعام المسمی فنهانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نحاقل بالارض فنکریها علی الثلث والربع والطعام المسمی وامر رب‌الارض ان یزرعها ، اویزرعها و کره کراٗها وما سوی ذالك،

(ترجمہ) ہم محاقلہ پر دیا کرتے تھے زمین رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں یعنی زمین کاشت کے لئے دیتے تھے تہائی اور چوتھائی پیداوار پر اور متعین مقدار میں غلہ پر، پس رسول اللہ صلعم نے ہمیں اس سے روک دیا اور زمین والے کو حکم دیا کہ وہ خود اس کو کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے دےدے اور اس پر ہر قسم کے معاوضے کو ناجائز ٹھیرایا ،

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روائیت کے الفاظ ہیں: کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی و بما یسقی بالماء مماحول البئر، فنہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالك و قال اکروھا بالذھب و الفضۃ، حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث سے بظاہر مزارعت کی ایک خاص شکل کا ممنوع ہونا واضح ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کے آخری الفاظ مزارعت کی ہر شکل کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ''اکروھا بالذھب والفضۃ،، کا صاف مطلب یہ ہے کہ سونے و چاندی یعنی نقدی کے عوض ہی زمین کو کرائے پر دے سکتے ہو، اس کی پیداوار کے کسی حصہ پر نہیں دے سکتے ہو، لہذا اس سے مزارعت کی ہر شکل کی نفی ہوجاتی ہے،

چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ مضارع کے صیغوں پر جب لفظ کان اور اس کے مشتقات داخل ہوتے ہیں تو ماضی استمراری کے معنے پیدا ہوتے ہیں لہذا ''کانوا یزرعون،، کنانخابر ،،''کناناخذالارض،، ''کنا نحاقل،، اور ''کان‌الناس یکرون،، کامطلب یہ ہے ہوا کہ مزارعت، مخابرت اور محاقلت کا معاملہ برابر ہوتا چلا آرہا تھا اور مسلمان اس معاملہ کو کرتے چلے آرہے تھے، اسی طرح فقال اور فنہی میں جو فاء ہے وہ تعقیب اور بعدیت کے لئے ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مزارعت سے نہی اور اس کی ممانعت بعد میں وارد ہوئی، بالفاظ دیگر یہ فاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ مزارعت کے عدم جواز کا حکم بلحاظ زمانہ بعد کا ہے ،

اس سلسلہ میں دو احادیث اور ہیں جن سے قطعی طور پر اس امر کی شہادت فراہم ہوتی ہے کہ مزارعت و مخابرت اپنی ہر شکل میں اس وقت ناجائز اور ممنوع قرار پائی جب تحریم ربا کا قانونی اعلان ہوا اور یہ مدنی دور کے آخر یعنی ۹سنہ نو ھجری میں ہوا جیسا کہ کتب حدیث و تفسیر میں اس کی صراحت ہے، اور وہ دو احادیث یہ ہیں :

عن ابی الزبیر عن جابر قال لما نزلت الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس، قال رسول الله علیه وسلم : من لم یذر المخابرة فلیؤذن بحرب من الله و رسوله، هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم، ص ٢٨٦ -ج ٢ - المستدرك للحاکم -

ابوالزبیر نے حضرت جابر سے روائت کیا کہ جب تحریم ربوا کی آیات نازل ھوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص مخابرت کو نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے، یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے -

عن ابن ابی نعم قال حدثنی رافع بن خدیج انه زرع ارضاً فمر به النبی صلی الله علیه وسلم و هو یسقیها فساله لمن الزرع و لمن الارض ؟ فقال زرعی ببذری و عملی، لی الشطر و لبنی فلان الشطر، فقال اربیتما، فردالارض علی اهلها و خذ نفقتك، سنن ابی داؤد -

ابن ابی نعم سے روائت ہے کہا : مجھ سے بیان کیا رافع بن خدیج نے یہ کہ اس نے ایک زمین کو کاشت کیا، پس گزرے اس کے پاس سے نبی کریم صلعم جب کہ وہ اس کو پانی دے رہاتھا حضورص نے پوچھا کھیتی کس کی اور زمین کس کی ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے نصف پیداوار میرے لئے ہوگی اور نصف بنی فلاں کے لئے، حضور نے

فرمایا تم نے سودی معاملہ کیا، پس
زمین اس کے مالکوں کے سپرد کردو
اور اپنا خرچہ لے لو۔

یہ دو حدیثیں صاف بتلارہی ہیں کہ مزارعت و مخابرت کی ممانعت، آیات ربوا کے نزول اور تحریم ربا کے بعد عمل میں آئی، پہلی حدیث تو اس بارے میں اتنی واضح ہے کہ اس میں مزید کسی وضاحت کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش البتہ دوسری حدیث کے متعلق اتنی وضاحت کی ضرورت ہے کہ حضور نے اربیتما کا لفظ جو استعمال فرمایا جس کے معنے ہیں تم نے ربا کا معاملہ کیا یا یہ کہ تم ربا میں داخل ہوئے یا اس وقت فرمایا جاسکتا ہے جب اس سے پہلے ربا کی تحریم و ممانعت ہو چکی‌ہو، اور اس پر علماء کا تقریباً اتفاق ہے کہ تحریم ربوا کی آیات بلحاظ نزول آخری ہے یا چند آخری آیات میں سے ایک ہے، اس کا قطعی طور پر مطلب یہ نکلا کہ مسلمانوں کے مابین مزارعت و مخابرت کی ممانعت بالکل آخر میں ہوئی، ویسے دیکھا جائے تو عقلی طور پر بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت وغیرہ کی ممانعت ،ربا کی ممانعت کے بعد وجود میں آئے کیونکہ معاشی معاملات میں سب سے برا اور بدتر معاملہ، ربوا کا معاملہ ہے جب تک کسی معاشرے میں اس کی رخصت اور آزادی ہو اس وقت تک اس میں مزارعت وغیرہ پر پابندی کا سوال ھی پیدا نہیں ہوتا، مطلب یہ کہ جس ضرورت اور مصلحت کے تحت ایک خاص وقت تک معاملہ ربوا کو برداشت کیا جاسکتا ہے اس کے تحت مزارعت وغیرہ کو بطریق اولیٰ برداشت کیا جاسکتا ہے جو ضرر اور برائی میں بہرحال معاملہ ربوا سے کم ہیں ، برداشت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ جہاں تک حرام ہونے کا تعلق ہے معاملہ ربوا ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے روز اول سے حرام تھا سابقہ ادیان اور کتب سماویہ میں اس کی تحریم موجود تھی، مسلمانوں کو جو کافی عرصہ تک اس سے نہیں روکا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی وہ ذھنی و خارجی حالات پیدا

نہیں ہوسکے تھے جو اس کے لئے ضروری تھے اور جن کے وجود میں آئے بغیر اگر اس کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا جاتا تو ردعمل کے طور پر ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا جن کی برائی، معاملہ ربوا کی برائی سے کہیں زیادہ اور شدید تھی لہذا ایک بڑی برائی سے بچنے کے لئے چھوٹی برائی کو ایک خاص وقت تک برداشت کیا گیا، چنانچہ جب وہ مطلوبہ ذہنی و خارجی پیدا ہوگئے تو اس کو فورا ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا، ٹھیک یہی صورت معاملہ مزارعت کے ساتھ بھی پیش آئی۔

ان مذکورہ دو احادیث کے علاوہ ایک تیسری حدیث بھی ہے جس سے علامہ ابوبکر الحازمی نے مزارعت کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا ہے، اس حدیث کا متن مع ترجمہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ علامہ ابوبکر الحازمی اور ان کی کتاب کا کچھ تعارف کرایا جائے، علامہ ابوبکر الحازمی متوفی ۵۸۴ھ جو اپنے زمانہ کے مانے ہوئے جلیل‌القدر محدث ہیں انہوں نے احادیث نبویہ کے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر ایک کتاب تالیف فرمائی جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں نہایت مستند اور جامع کتاب ہے اس میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مسئلہ سے متعلق پہلے وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو ان کے نزدیک منسوخ ہیں اور پھر وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن کو وہ ناسخ سمجھتے ہیں، مزارعت سے متعلق بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے پہلے وہ احادیث لائے ہیں جو مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی اور ان کے نزدیک منسوخ ہیں اور پھر اس عنوان کے تحت ''ذکر خبر یصرح بالاذن والنہی بعدہ،، ایک حدیث ذکر کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مزارعت کی اجازت پہلے تھی اور ممانعت بعد میں ہوئی، اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک صحابی کے پاس کچھ زمین تھی جسے وہ خود کاشت کرنے سے عاجزوقاصر تھا ایک دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کی اس زمین کو کاشت کروں اور پیداوار

میرے اور آپ کے درمیان تقسیم ہوجائے، اس نے جواب میں کہا میں اس وقت اجازت دے سکتا ہوں جب اس کے متعلق رسول اللہ صلعم سے پوچھ لوں، چنانچہ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا، آنحضرت نے کوئی جواب نہ دیا، پھر وہ وہاں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے پاس پہنچا اور اس بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا تم دوبارہ آنحضرت کی خدمت میں جاؤ اور ان ھی سے پوچھو چنانچہ وہ دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور پوچھا لیکن اس مرتبہ بھی حضور نے کچھ جواب نہ دیا، وہ پھر حضرات شیخین رض کے پاس پہنچا اور ان کو بتلایا کہ حضور صلعم نے ہاں یا ناں میں کوئی جواب نہیں دیا، اس پر انھوں نے فرمایا تم جاؤ اور اس شخص سے معاملہ کرلو، کیونکہ اگر یہ معاملہ حرام ہوتا تو آنحضرت ضرور منع فرمادیتے، یہ سن کر وہ چلا گیا اور دوسرے شخص سے معاملہ کرلیا اور اس نے زمین کاشت کردی، یہ زمین رسول اللہ صلعم کے ایک راستہ میں پڑتی تھی ایک دن آپ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس سرسبز لہلہاتی کھیتی کو دیکھا کر آپ نے پوچھا کہ یہ زمین کس کی ھے لوگوں نے بتلایا کہ فلاں شخص کی ھے اور اس نے فلاں کو مزارعت پر دی ھے، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کو میرے پاس بلالاؤ چنانچہ وہ دونوں حاضر خدمت ہوگئے، آپ نے زمین کے مالک کو حکم دیا کہ کاشت کرنے والے نے تیری اس زمین میں جو خرچہ کیا ھے اس کو دے دو اور پیداوار سب کی سب تمہارے لئے ہوگی، اس حدیث میں اس امر کی پوری تصریح ھے کہ ظہور اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا وقت بھی گزرا جس میں مطلق مزارعت کے جواز و عدم جواز سے متعلق کوئی شرعی حکم موجود نہ تھا ورنہ رسول اللہ صلعم اس شخص کو ضرور بتلا دیتے، اور پھر آخر میں جو حکم وارد ہوا وہ عدم جواز کا تھا جس کے تحت آپ نے اس معاملے کو فسخ کرایا ،

یہاں یہ بات کچھ اور واضح کردینے کی ضرورت ھے کہ نہی مزارعت سے پہلے مسلمانوں کا اس معاملے پر جو عمل درآمد رہا وہ کسی مثبت شرعی

حکم کے تحت نہ تھا بلکہ قبل از اسلام اس پر جو عمل درآمد ہوتا چلا آرہا تھا اسلام نے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ایک خاص وقت تک اس سے منع نہ کیا لہذا اس کا سلسلہ جاری رہا اور عدم ممانعت کی وجہ سے مسلمان اس پر عمل کرتے رہے، مطلب یہ کہ نہی سے پہلے مزارعت کا جو جواز تھا وہ ایسا نہ تھا جو شارع کے کسی مثبت شرعی حکم سے پیدا ہوتا ہے بلکہ ایسا تھا جو ممانعت کا حکم موجود نہ ہونے کی وجہ سے کسی شے کے متعلق سمجھا جاتا ہے، اس بات کو ربوا کی مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، علماء کرام اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سنہ نو ہجری تک مسلمان ربا کا لین دین کرتے رہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے اندر ربا کا یہ لین دین کسی مثبت شرعی حکم کے تحت تھا اس لئے قرآن مجید کی آیت لاتظلمون ولا تظلمون کے مطابق ربا ظلم ہے اور اسلام جس کا مقصد وجود دینا سے ہر قسم کے ظلم کو ختم کرکے اس کی جگہ عدل و قسط قائم کرنا ہے وہ ظلم کو اختیار کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ کسی بڑے ضرر سے بچنے کے لئے وہ ایک خاص وقت تک اس سے نہ روکے اور اس کو قانوناً ممنوع نہ قرار دے، کیا یہ واقع نہیں کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اور کسی وقت بھی ربا کا لین دین نہیں فرمایا، اگر شرعاً اس کا جواز ہوتا تو آپ اظہار جواز کے لئے ایک آدھ مرتبہ اس کا ضرور لین دین کرتے لیکن آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا، نتیجہ ظاہر ہے، بنابریں مزارعت کے منسوخ ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نہی سے پہلے اس کی جو آزادی تھی نہی کے بعد وہ ختم ہوگی اور اس کی جگہ پابندی آگئی۔

نسخ کے طریقہ سے احادیث مزارعت کا جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ ترجیح کے طریقہ سے کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔

ترجیح کے طریقہ سے جب ہم احادیث مزارعت پر نظر ڈالتے ہیں تو

ھمیں صاف دکھائی دیتا ھے کہ جن احادیث سے مزارعت کا جواز نکالا جاتا ھے ان پر ان احادیث کو کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ھے جو عدم جواز پر دلالت کرتی ھیں، اس اجمال کی تفصیل سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ھے کہ جن احادیث کو مزارعت کے جواز میں پیش کیا جاتا ھے وہ دو ھیں : ایک وہ جس میں یہود خیبر کے ساتھ معاملے کا ذکر ھے لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا دراصل یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ ھے ھی نہیں بلکہ ایک سیاسی نوعیت کا معاملہ ھے جو غیر مسلم ذمیوں اور اسلامی حکومت کے درمیان طے پایا اور جس کی رو سے خیبر کے اھل ذمہ یہودی جملہ پیداوار کا نصف حصہ اسلامی حکومت کو ادا کرتے تھے، بہر حال یہ واقعہ ھے کہ یہ معاملہ دو مسلمان شخصوں یا جماعتوں کے مابین نہ تھا بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلم ذمیوں کے مابین تھا لہذا غور سے دیکھا جائے تو اس حدیث کا ان احادیث سے کوئی تعارض نہیں جو مسلمانوں کے مابین مزارعت کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتی ھیں ۔

یہود خیبر کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاملہ ھوا تھا وہ مزارعت و مخابرت نہ تھا اس کے ثبوت میں کئی دلائل ھیں : پہلی دلیل یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد جن میں ائمہ‌اربعہ بھی شامل ھیں اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتی تھی ورنہ وہ کبھی بھی مزارعت کے عدم جواز کے قائل نہ ھوتے کیونکہ جس معاملہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا ھو اور آخر دم تک اس پر قائم رھے ھوں اور پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر فاروق نے کافی عرصہ تک اس پر عمل درآمد کیا ھو اس کو کوئی ناجائز کہنے کی کیسے جرات کرسکتا ھے، چونکہ یہ حقیقت ھے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ متعدد صحابہ کرام، اکابرتابعین اور آئمہ مجتہدین مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے لہذا اس کا صاف مطلب یہ ھوا کہ ان کے نزدیک

خیبر کا معاملہ، مزارعت کا معاملہ نہ تھا، بلکہ جن صحابہ کرام نے حدیث خیبر کو روائت کیا ہے وہ بھی اس میں ذکر کردہ معاملہ کو مزارعت نہیں سمجھتے تھے، مثلاً عبداللہ بن عمر کو لیجئے جو اس حدیث کے ممتاز راوی ہیں انوں نے جب رافع بن خدیج سے نہی مزارعت کی حدیث سنی تو صحاح ستہ کی روایات کے مطابق انہوں نے جواب میں معاملہ خیبر والی حدیث کو پیش نہیں کیا اور اگر ان کے نزدیک معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ بلا تامل اس کو پیش کرکے کہہ سکتے تھے کہ آپ کی روائت کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ رسول اللہ صلعم آخر دم تک اس پر قائم رہے لیکن انہوں نے بجائے اس کے یہ کہا :

لقد کنت اعلم فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الارض تکری،	بلاشبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ جانتا تھا کہ زمین کرائے پر دی جاتی ہے ،

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

قد علمت انا کنا نکری مزارعنا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم بما علی الاربعاء۔	آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنے کھیت کرائے پر دیا کرتے تھے رسول اللہ صلعم کے زمانے میں نالیوں کے کناروں کی پیداوار کے بدلے ،

ان دونوں عبارتوں میں جس کراء الارض کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے مراد معاملہ خیبر والی کراء الارض نہیں بلکہ وہ کراء الارض ہے جو اہل مدینہ کے ہاں رائج چلی آرہی تھی، اسی طرح اس کے بعد اس حدیث کے جو الفاظ ہیں ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کرء الارض کا عبداللہ بن عمر نے ذکر کیا ہے وہ معاملہ خیبر نہ تھا، الفاظ یہ ہیں :

ثم خشی عبدالله ان یکون النبی	پھر عبداللہ ڈرا کہ ہوسکتا ہے کہ

صلی اللہ علیہ وسلم قد احدث فی ذالك شیئا لم یکن یعلمہ فترك کراءالارض، بخاری و مسلم۔

اس بارے میں نبی صلعم نے کوئی نیا حکم دے دیا ہو جس کا اسے علم نہ ہو لہذا اس نے کراءالارض کو ترك کر دیا،

صاف بات ہے کہ جہاں تک معاملہ خیبر کا تعلق ہے عبداللہ بن عمر کو قطعی اور یقینی طور پر معلوم تھا کہ رسول اللہ صلعم آخر دم تک اس پر قائم رہے اور اس کے بعد حضرات شیخین رض نے بھی کافی عرصہ تک اس کو قائم رکھا لہذا یہ الفاظ ''کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے اس بارے میں کوئی نیا حکم فرمایا ہو جو انہیں معلوم نہ ہو، معاملہ خیبر کے بارے میں ہر گز نہیں ہوسکتے کیونکہ اس کے متعلق ان کو یقینی علم تھا کہ نبی صلعم نے اس کے بارے میں کوئی نیا فرمان نہیں دیا، مزید برآں رافع بن خدیج سے نہی مزارعت کی حدیث سن کر حضرت عبداللہ بن عمر کا اس معاملہ کو ہمیشہ کےلئے ترک کردینا اور پھر اس کے عدم جواز کا فتوی دیتے رہنا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ ایک‌عملی سنت کو نہ ہمیشہ کے لئے ترک کرتے اور نہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے، نہایت تعجب ہے ان حضرات پر جنہوں نے یہاں یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے تقویٰ اور ورع کی بنا پر مزارعت کو چھوڑ دیا اور اتنا نہیں سوچا کہ اگر خیبر کا معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا تو اس کی حیثیت ایک سنت کی تھی لہذا تقویٰ اورورع اس کے اختیار کرنے میں تھا نہ کہ ترک کرنے میں، اور پھر عبداللہ بن عمر جیسے عاشق سنت کے متعلق یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ انہوں نے ایک سنت رسول کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیا جو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سنت پر عمل کرتے تھے اور جب کوئی سنت مل جاتی تو پھر کبھی اس کو نہ چھوڑتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کے

نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا ھی نہیں ورنہ وہ مزارعت کو کبھی نہ چھوڑتے۔

معاملہ خیبر والی حدیث کے دوسرے راوی عبداللہ بن عباس ھیں وہ بھی اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتے تھے اس کا اظہار ایک تو عبداللہ بن عباس کی اس حدیث سے ہوتا ھے جس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے بیان کیا ھے اس حدیث کے الفاظ میں کافی اختلاف ھے لیکن سب کا مجموعی حاصل یہ ھے کہ مزارعت حرام نہیں مکروہ ھے اور یہ کہ اس کا ترک کرنا اختیار کرنے سے بہتر ھے بالفاظ دیگر مستحب یہ ھے کہ جو اپنی زمین کو خود کاشت نہ کرسکتا ھو وہ دوسرے کو مفت بلامعاوضہ دے دے، بتلائیے اب اگر معاملہ خیبر کو مزارعت قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ھے کہ العیاذ باللہ، رسول اللہ صلعم اور آپ کے خلفائے راشدین نے ایک مستحب اور اولیٰ چیز کو چھوڑ کر مکروہ اور خلاف اولیٰ امر کو اختیار کیا، لہذا یہ سمجھنا بالکل درست ھے کہ عبداللہ بن عباس کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ اس کو مکروہ اور خلاف اولیٰ کبھی نہ کہتے، اسی طرح اس کا اظہار عبداللہ بن عباس کے اس اثر سے بھی ھوتا ھے جس کو طبرانی نے ذکر کیا ھے، الفاظ یہ ھیں :

عن ابن عباس اذا اراد احد کم اِن یعطی اخاہ ارضا فلیمنحھا ایاہ ولا یعطہ بالثلث والربع، ص کنزالعمال بحوالہ طبرانی۔	عبداللہ بن عباس سے مروی ھے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین دینا چاھے تو اسے مفت دے دے تہائی اور چوتھائی پر نہ دے۔

اس روائت کے آخری الفاظ میں مزارعت کی نہی ھے اور انھوں نے مسلمانوں کو مزارعت سے روکا ھے، بتلائیے اگر معاملہ خیبر عبداللہ بن عباس کے نزدیک مزارعت کا معاملہ ھوتا تو وہ ایک ایسے معاملے سے کیسے روک سکتے تھے

جسے خود رسول اللہ صلعم نے طے کیا اور آخر دم تک اس پر قائم رہے، اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ عبداللہ بن عباس کے نزدیک معاملہ خیبر مزارعت نہ تھا۔

علامہ ابوبکر الحاذمی نے اپنی کتاب ''الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاخبار'' میں جہاں ان صحابہ کرام اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو مزارعت کو فاسد اور ناجائز معاملہ سمجھتے اور قرار دیتے تھے ان میں سر فہرست حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کا نام ذکر کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے : وقالوا العقد فاسد وروی مثل ذالك عن عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس الخ ،

اس کے علاوہ کچھ دوسرے شواہد و قرائن بھی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ نہ تھا بلکہ سیاسی نوعیت کا معاملہ تھا مثلاً ایک یہ کہ بعض روائیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ معاہدہ صلح کے بعد بھی خیبر کی کچھ اراضی یہود خیبر کی ملکیت تھیں چنانچہ حضرت عمر فاروق نے جب ان کو جلاءوطن کیا تو وہ اراضی ان سے خریدیں اور معاوضہ ادا کیا، بہیقی کی روائیت ہے جسے علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے الفاظ یہ ہیں :

عن عمر بن عبدالعزیز قال لما استخلف عمر اجلی اھل نجران و اھل فدك وتیماء و اھل خیبر واشتری عقارھم واموالھم، ص ۹ - ج ۵ - فتح الباری۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روائت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے کچھ عرصہ بعد جب اہل نجران، اہل فدک و تیماء اور اہل خیبر کو جلاءوطن کیا تو ان کی زمینیں اور دیگر اموال ان سے خریدے۔

دوسری روائت جو ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

عن یحی بن سعید ان عمر اجلیٰ اهل نجران و الیهود و النصاریٰ واشتریٰ بیاض ارضهم و کرومهم ۔

یحیی بن سعید سے روائت ھے کہ حضرت عمر فاروق نے اهل نجران اور یہود و نصاریٰ کو جلاوطن کیا اور ان کی زمینیں اور باغات خریدے۔

المبسوط للسرخسی میں اس رقم کی مقدار نوے ہزار دینار لکھی ھے جو حضرت عمر نے بیت‌المال سے ان جلاءوطن ھونے والوں کو دی، الفاظ یہ ھیں :
فانه امر باسوالهم فقومت بتسعین الف دینار فدفعهاالیهم واجلاهم و قبض اسوالهم ص ٥ - ج ٢٣ - المبسوط ۔ ان روایات سے ظاھر ھوتا ھے کہ مسلمان ان زمینوں کے مالک نہیں تھے بلکہ ان کے مالک خود اهل ذمہ یہود و نصاریٰ تھے ورنہ ان سے خریدنے اور ان کو معاوضہ دینے کا مطلب ھی کیا ھوسکتا ھے، اور جب اس کو تسلیم کرلیا جائے کہ مسلمان اراضی خیبر کے مالک نہیں تھے جیسا کہ مذکورہ روایات سے واضح ھوتا ھے تو پھر معاملہ خیبر کو مزارعت کہنا کسی طرح درست نہیں ھوسکتا کیونکہ مزارعت کے لئے ضروری ھے کہ زمین کا مالک خودکاشتکار نہ ھو بلکہ کوئی دوسرا ھو۔

اسی طرح معاملہ خیبر کے متعلق بعض روایات میں یہ جو تفصیل ھے کہ اراضی خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا، ان میں سے اٹھارہ حصہ غانمین کے لئے متعین فرمائے جن میں آپ کا حصہ بھی شامل تھا اور باقی اٹھارہ حصے اجتماعی مصارف اور ملی حاجات کے لئے مقرر فرمائے، اس تفصیل سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ رسول اللہ صلعم نے یہود خیبر کی مفتوحہ اراضی کو دوسرے اسوال غنیمت کی طرح غانمین کی ملکیت قرار نہیں دیا ورنہ فرمان الٰہی کے مطابق خمس لےکر باقی سب زمین غانمین میں تقسیم فرما دیتے، بلکہ بعض روایات میں یہ بھی صراحت ھے کہ حضور صلعم نے خیبر کو فتح کرنے والے غانعمین کے لئے اراضی خیبر کے الگ الگ حصے مقرر نہیں فرمائے تھے بلکہ حاصل ھونے والی مجموعی پیداوار میں سے پیمانہ وسق

کے لحاظ سے ان کے لئے حصے مقرر تھے چنانچہ حکومت کا نمائیندہ تمام غلوں اور پھلوں کا جو نصف حصہ وصول کرکے لاتا تھا مقررہ حصوں سے وہ ان کے درمیان تقسیم ہوجاتا تھا، ازواج مطہرات کی حد تک ان حصوں کی کچھ تفصیل صحیح البخاری میں اور پوری تفصیل سیرۃ ابن ھشام وغیرہ میں ملتی ہے، غرض یہ کہ جب اراضی خیبر غانمین خیبر کی ملکیت ھی نہ تھیں تو معاملہ خیبر کے مزارعت ہونے کا احتمال ھی باقی نہیں رھتا۔

اسی طریقہ سے حدیث خیبر میں یہ جو الفاظ ھیں کہ ”نقر کم بھا علی ذالك ماشئنا،، ھم تمہیں اس معاھدہ پر برقرار رکھیں گے جب تک ھم چاھیں گے، یہ بھی اس پر دلالت کرتے ھیں کہ معاملہ خیبر، معاملہ مزارعت نہ تھا کیونکہ مزارعت میں مدت کا تعین ضروری ھوتا ہے اور یہ الفاظ عدم تعین کو ظاھر کرتے ھیں۔

معاملہ خیبر کے معاملہ مزارعت نہ ھونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ یہود خیبر جن کی حیثیت اھل کتاب ذمیوں کی تھی سوائے پیداوار کے نصف حصہ کے اسلامی حکومت کو اور کچھ ادا نہیں کرتے تھے حالانکہ خدائی حکم کے مطابق ان پر جزیہ یا خراج عائد ھوتا تھا جس کا وصول کرنا مسلمان حکومت کے لئے ضروری تھا۔ اب اگر اس معاملہ کو مزارعت قرار دیاجائے اور یہ کہا جائے کہ یہود غلے وغیرہ کا جو نصف حصہ ادا کرتے تھے وہ بطور مزارعت کے تھا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ رض نے یہود خیبر کی حد تک قرآنی حکم پر عمل نہ کیا جس کا خیال کرنا بھی گناہ ہے، اور اگر یہ کہاجائے کہ یہود کے ساتھ جو معاملہ ھوا تھا وہ مسلمان حکومت اور ذمی رعایا کے مابین ایک سیاسی نوعیت کا معاملہ تھا اور ان سے جو کچھ وصول کیا جاتا تھا وہ بطور خراج مقاسمت کے تھا تو اس سے مذکورہ خرابی لازم نہیں آتی، اس بات کی تائید کہ یہود خیبر سے ان کی پیداوار کا جو نصف حصہ لیا جاتا تھا وہ بطور خراج مقاسمت کے تھا اس روائیت سے بھی

ھوتی ہے جس میں یہ بیان ہے کہ جب یہود خیبر کو سے جلاءوطن کردیا گیا تو ان پر نقد جزیہ مقرر کیا گیا جو وہ اسلامی حکومت کو بحیثیت ذمی کے ادا کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے ان سے نقد جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا لہذا اس کا مطلب یہ ھوا کہ جلاءوطنی سے پہلے یہود سے جو غلہ وغیرہ وصول کیا جاتا تھا وہ بطور خراج و جزیے کے تھا، حضرت امام ابو حنیفہ کی بعینہ یہی رائے تھی جس کو کتب فقہ مبسوط السرخسی، ھدایہ اور بدائع الصنائع وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے اور کسی نے اس کو رد نہیں کیا اور کوئی اس کے جواب میں معقول دلیل پیش نہیں کرسکا۔

غرض یہ کہ معاملہ خیبر سے متعلق سطوربالا میں جو امور عرض کئے گئے ھیں ان سے یہ بخوبی اندازہ ھوجاتا ہے کہ جواز مزارعت کے لئے حدیث خیبر سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں جس معاملہ کا ذکر ہے اس کے مزارعت نہ ھونے پر متعدد احتمالات ھیں ۔ لہذا اس قاعدہ کی رو سے کہ ''اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال،، استدلال مذکور باطل قرار پاتا ہے۔ پھر جب حدیث خیبر مزارعت سے متعلق ہے ھی نہیں تو اس کا ان احادیث سے تعارض کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتی ھیں ۔ اور اگر اس کے باوجود کسی کو اس پر اصرار ھو کہ حدیث خیبر مزارعت سے متعلق ہے اور اس سے اس کا جواز نکلتا ہے تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ وجوہ ترجیح کی روشنی میں اس کی استنادی حیثیت کیا ہے۔

* *